طالبان کا افغانستان

عرفان صدیقی

(بشکریہ تکبیر)

براہ راست مشاہدے پر مبنی چشم کشا رپورٹ

ذوقِ خدائی رکھنے والے غازیوں اور پُراسرار بندوں کی سرزمین افغانستان کی پوری تاریخ ایسے معجزوں سے آراستہ ہے جو صرف مردانِ کار ہی کے ہاتھوں رونما ہوتے ہیں۔ یہ ان غیرت مند انسانوں کا وطن ہے جنہوں نے کبھی غلامی کی زندگی سے سمجھوتہ نہیں کیا جنہوں نے کبھی اپنی آزادی و خود مختاری کا سودا نہیں کیا۔ جو اپنے وطن کی خدمت کو اپنی ماؤں بہنوں کی عصمت کی طرح عزیز رکھتے ہیں ماضی قریب میں ان اللہ کے سپاہیوں نے دنیا کی فرعون مزاج سپر پاور سوویت یونین پر جس طرح کاری ضرب لگائی اس نے افغان تاریخ کو نئی تابانی و درخشانی دی ہے۔

اپنی مجاہدانہ اذانوں سے پہاڑوں میں شگاف ڈالنے والے آج سنگ الزام اور تیرِ دشنام کا نشانہ ہیں کہ وہ افغانستان کو وہ کچھ نہیں دے سکے جس کی توقع تھی۔ شکستِ خواب کے اس موسم میں غیروں کی بن آئی ہے اور وہ ایک بار پھر اپنے بُغض کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسی پس منظر میں نمودار ہونے والی طالبان کی نئی قوت نے نہ صرف تیز تر فتوحات کے پرچم گاڑے بلکہ اپنے آپ کو افغانستان کی توانا تحریک کے طور پر بھی منوالیا۔ طالبان کی نمو اتنی اچانک اور اتنی بھرپور تھی کہ آج تک اس پر پُراسراریت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ انہیں جاننے' انہیں پہچاننے' انہیں غور سے دیکھنے اور انہیں سمجھنے کی خواہش ہر اس فرد کے دل میں پائی جاتی ہے جو افغانستان کی فلاح سے دلچسپی رکھتا اور جلد افغانستان کو حتمی طور پر کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جب جمعیت العلمائے اسلام (س) کے سیکریٹری جنرل اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم مولانا سمیع الحق نے مجھے قندھار اور ہرات کے دورے کی دعوت دی تو میں نے اسے ایک اچھا موقع خیال کیا۔ کمر کی تکلیف افغانستان کی کھردری اور ناہموار سڑکوں پر سفر کی حوصلہ شکنی کرتی رہی لیکن میں سخت جان افغانوں کا تصوّر ذہن میں لاتے ہوئے آمادۂ سفر ہو گیا۔ مولانا ایک بڑے قبیلہ عشاق کے ہمراہ نکلے جس میں ان کی جماعت کے چاروں صوبائی امیر اور سواد اعظم اہلِ سنت کے رہنما مولانا اسفندیار بھی شامل تھے۔ علماء کے اس کاروانِ فضیلت میں چار اخبار نویس بھی تھے۔ نوائے وقت کے سلطان سکندر' این این آئی کے طارق سمیر' روز نامہ پاکستان کے زاہد جھنگوی اور راقم الحروف۔ کوئی آٹھ گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ ۲۰ راگست کی صبح دس بجے کوئٹہ سے چمن کے لئے روانہ ہوا جو پاک افغان سرحد پر ایک معروف تجارتی شہر ہے۔ پہاڑی کے بیچوں بیچ بل کھاتی ہوئی یہ سڑک عمدہ اور ہموار تھی اور تقریباً ایک سو بیس کلو میٹر کا یہ فاصلہ تین گھنٹوں میں طے ہوا۔

پاکستان کی چیک پوسٹ پر ایف آئی اے کے عملے نے معمول کی کارروائی مکمل کی۔ مولانا سمیع الحق کے پاسپورٹ پر "ویزا" کی مہر کو سارے قافلے کے لئے جوازِ سفر خیال کیا گیا اور ہم امام صاحب کی اقتداء میں داخلِ افغانستان ہو گئے۔

"قوماندانی بولاک" افغانستان کی سرحد پر پہلی چیک پوسٹ ہے۔ پاکستانی اور افغانی چیک پوسٹ کے درمیان قندھار کے میئر اور طالبان کے نمائندوں نے استقبال کیا۔ یہ لوگ اپنے ہمراہ گاڑیاں بھی لائے تھے۔ پاکستان سے جانے والی گاڑیاں فارغ کر دی گئیں اور ہم طالبان کی گاڑیوں میں براجمان ہو گئے۔ بولاک کی چیک پوسٹ پر مستعد نوجوان طالبان نے پہلی گاڑی سے تعارف چاہا اور کسی تردّد کے بغیر زنجیر اٹھالی۔ جدید زمانے کی پختہ اور ہموار سڑک چمن کے بارڈر پر ہی رہ گئی تھی اور اب ہم جس آڑی ترچھی' ٹوٹی پھوٹی' ندی نالوں اور ناہموار ٹیلوں والی شاہراہ پر چل رہے تھے وہ کوئی بائیس سال پہلے ایک کشادہ اور پختہ سڑک تھی۔

بولاک میں جن باریش نوجوانوں نے ہمارا استقبال کیا ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ کون ہیں؟ نہ تعارف ہوا' نہ گفتگو نہ کوئی اور رسمی کارروائی۔ گلے ملے۔ اسلام و علیکم ورحمتہ اللہ علیہ کہا۔ ہاتھ ملایا اور گاڑیوں میں بٹھا کر چل دیئے۔ ہماری گاڑی صرف چار صحافیوں کے لئے مخصوص تھی۔ بولاک سے نکلتے ہی ہمیں ہر کلو میٹر' دو کلو میٹر کے فاصلے پر سڑک کے دونوں طرف شکستہ کوٹھڑیاں اور ٹوٹے پھوٹے گھروں کے کھنڈر دکھائی دیئے۔ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے خوش مزاج ڈرائیور سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے ملی جلی فارسی' اردو اور پشتو میں بتایا کہ یہ وہ پھاٹک یا چیک پوسٹیں ہیں جو مختلف گروہوں نے بنا رکھی تھیں۔ آنے جانے والی گاڑیوں کو پھاٹک پر قابض مسلح گروہ روک کر گاڑی اور مالک کی حیثیت کے مطابق خراج وصول کرتا تھا۔ مسافروں کی گھڑیاں' خواتین کے زیورات اور گاڑی کی قیمتی سامان بھی چھین لیا

جاتا تھا۔ اکثر لوگ اپنی قیمتی اشیاء پاکستان کی آخری چیک پوسٹ پر "امانتاً" رکھ جاتے تھے۔ میں نے بولاک سے قندھار تک ایسی ۴۹ چوکیوں کے آثار دیکھے۔ بعد ازاں قندھار میں پاکستانی قونصل جنرل جناب عزیز الرحمٰن گل اور دیگر افراد نے ان چوکیوں کے کار پردازوں کی جو لرزہ خیز وارداتیں سنائیں وہ قلم کی زبان پر نہیں لائی جا سکتیں۔ عصمت ملیشیا کی چوکیاں تو خوف و دہشت کی علامت تھیں۔ ایسے بھی واقعات ہوئے کہ نوجوان لڑکیوں اور نو عمر خوبرو لڑکوں کو گاڑیوں سے اتار لیا گیا۔ طالبان نے اس علاقے پر قابض ہوتے ہی تمام چوکیاں ملیا میٹ کر دیں اور آج انسانی عزت و توقیر کے یہ مرگھٹ ویران پڑے ہیں۔ طالبان نے عصمت ملیشیا کے منصور اور دیگر سفاکوں کا دور تک تعاقب کیا۔ انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی لاشیں ٹینکوں کی بلند نالوں سے لٹکا کر انہیں قندھار ایئرپورٹ کے قریب سڑک پر کھڑا کر دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے چوکیوں پر ہی نہیں، قندھار شہر میں بھی دہشت و بربریت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ چمن سے قندھار تک کی بستیوں کے لوگ کئی دن قندھار ایئرپورٹ کے قریب عبرت کا نظارہ کرتے رہے۔ آج بولاک سے قندھار تک صرف دو پوسٹیں ہیں ایک بارڈر پر اور ایک شہرِ قندھار کی سرحد پر۔ دونوں جگہ کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا صرف گاڑی اور مسافروں کو ایک نظر دیکھا جاتا ہے۔

چمن کی سرحد پار کرتے ہی جب گاڑیوں نے سڑک کے دائیں رخ چلنا شروع کر دیا تو ہمیں احساس ہوا کہ ہم ایک ایسی آزاد سرزمین میں داخل ہو گئے ہیں جس پر برطانوی سامراج کا سایہ نہیں پڑا۔ جہاں جہاں برٹش راج کے سورج کی کرنیں پڑیں وہاں ٹریفک بائیں ہاتھ چلتا ہے اور غلامی کے عہد کی یہ یادگار کسی ملک کی تاریخ کی بڑی پہچان بن گئی ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہمیں قندھار سے پاکستان کی طرف آتے ٹرک ملتے رہے جن پر انگوروں کی "پیٹیاں" گرے" اور ٹائر لدے ہوئے تھے۔

طالبان نے سڑک کے کنارے کہیں کہیں ٹیوب ویل نصب کر دیے ہیں جن کے باعث زراعت کو خاصی ترقی ملی ہے اور کہیں کہیں ہرے بھرے شاداب کھیت نظر آنے لگے ہیں۔ ان کھیتوں میں عموماً تربوز اور گرما کی فصلیں اگتی ہیں۔ یہ دونوں پھل بے حد شیریں ہیں اور پاکستان کے مقابلے میں نہایت ارزاں بھی۔

ہمیں طالبان، ان کے نظام حکومت، ان کے اندازِ کار اور ان کی "شانِ نزول" کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی آرزو تھی اور ہم اپنے ڈرائیور پر مسلسل سوالوں کی چاندماری کر رہے تھے اور وہ حسبِ توفیق ہمیں معلومات فراہم کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں بتایا کہ طالبان کے زیرِ کنٹرول علاقے میں مراتب اور مناصب کی تمیز اور عہدوں کا کروفر ناپید ہے۔ صوبے کا والی ہے یا کسی دفتر کا معمولی اہلکار۔ کسی میں کوئی فرق نہیں۔ نہ کوئی آن بان، نہ پروٹوکول، نہ ہٹو بچو کی صدائیں اور نہ وی آئی پی کلچر۔ ہمیں یہ بات کچھ ناقابلِ یقین سی لگی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ گورنر، وزیر، مشیر اور بڑے بڑے سرکاری عمّال عام لوگوں کے درمیان، عام لوگوں کی طرح رہتے ہوں؟ ہمارے ہاں تو تھانے کا ایک ایس ایچ او اور تحصیل کا ایک اسسٹنٹ کمشنر بھی ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا اور جب چاہے اپنے اختیارات کے تازیانوں سے کسی بھی شخص کی پیٹھ لہولہان کر سکتا ہے۔ ہم نے آپس میں کہا کہ یہ شخص گپ بازی کر رہا ہے۔ اصل حقیقت قندھار پہنچ کر معلوم ہو جائے گی۔ میں نے ڈرائیور سے اس کا نام پوچھا۔ وہ بولا۔ "ملّا ہدایت اللہ۔" میں نے گپ باز ڈرائیور سے پوچھا۔ "ہدایت اللہ تم کیا کام کرتے ہو؟" اس نے جواب دیا۔ "میں قندھار کا ڈپٹی کمشنر اور میئر ہوں۔" ہم چاروں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ڈپٹی کمشنر ڈرائیور ملّا ہدایت اللہ اپنی دُھن میں مگن گاڑی چلاتا رہا۔ ●

ہماری گاڑیاں قندھار میں داخل ہوئیں تو دن ڈھل چکا تھا اور سورج اپنے گھر جانے کے لئے پہاڑوں سے لگا کھڑا تھا۔ دیواروں کے سائے لمبے ہو رہے تھے لیکن دیواریں تھیں کہاں؟ جا بجا زخم خوردہ، سینہ چاک اور داماں دریدہ ڈھانچے کھڑے تھے۔ چھتیں اڑ چکی تھیں، مضبوط ستون بھاری گولہ باری کی مسلسل ضربوں سے چور چور ہو چکے تھے۔ کھڑکیوں، دروازوں اور دریچوں کے پٹ گھروں کا ایندھن بن چکے تھے اور بڑے بڑے بے ڈھب سوراخ، بے خواب آنکھوں کی طرح خلاؤں میں گھر رہے تھے۔ گاڑیاں ابھی تک قندھار ہرات روڈ ہی پر تھیں جس کے دونوں طرف ایک آفت زدہ شہر کے حرماں نصیب درودیوار ٹوٹی پھوٹی منڈیروں پر حسرتِ تعمیر کی تختیاں لٹکائے کھڑے تھے۔ افغانوں کی سخت جان زندگی کوچہ و بازار میں زندہ و بیدار تھی۔ اس میں آسودہ اور مطمئن بستیوں والی زیبائی اور رعنائی تو نہ تھی لیکن ہر حال میں زندگی گذارنے کا فن سکھانے والی توانائی ضرور تھی۔ گاڑیاں کم کم، تھوڑی سی موٹر سائیکلیں، بہت سی سائیکلیں اور ڈھیر سارے پیدل لوگ، چھوٹی بڑی دکانیں، ریڑھیاں، کھوکھے اور ایسی گہما گہمی جس میں تفریح سے کہیں زیادہ مجبوریوں اور ضرورتوں کا پھیکا پن ہوتا ہے۔ ہمارے ڈپٹی کمشنر کم ڈرائیور نے بتایا کہ یہ قندھار ہے۔ میں سوچنے لگا کہ اس شہر نا پرساں کی بوڑھی آنکھوں نے نہ جانے تاریخ کے کیسے کیسے مناظر دیکھے ہوں گے۔ کن کن فاتحین کے نیزوں نے اس کا جگر چھلنی کیا ہو گا؟ زندگی کی کیسی کیسی لطافتیں یہاں خیمہ زن رہی ہوں گی؟ قندھار آج ماضی کی داستانوں سے دور کھڑا نئے عہد کے نئے

★★★★★★★★★
★★★★★★★★★
★★★★★★★★★
★★★★★★★★★

زخموں کو چاٹ رہا ہے۔ دریائے ارغنداب کے کنارے موجودہ شہر چودھویں صدی میں آباد ہوا اور اس وقت سے ولایت کا حکومتی مرکز چلا آرہا ہے۔ گرشک اور نسبت کے قدیم شہر نئے قندھار میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ قندھار کی ولایت یا صوبے میں دریائے ہلمند' دریائے ترنگ' دریائے ارغبان اور دریائے ارغنداب کی زرخیز وادیاں شامل ہیں۔ یہ علاقہ تاریخی طور پر درّانیوں کا مرکز رہا ہے۔

ہمیں جس عمارت میں ٹھہرایا گیا' اسے غالباً آج کے قندھار کی سب سے اچھی اقامت گاہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن عمومی معیار کے حوالے سے وہ ایک اوسط درجے کا ریسٹ ہاؤس تھا۔ ایک بڑا ہال۔ متعدد چھوٹے بڑے کمرے اور ان سب کے لئے صرف تین باتھ روم۔ سچی بات یہ ہے کہ حالتِ جنگ سے دوچار طالبان کے پاس اس سے زیادہ اگر کچھ تھا تو ڈھیر ساری محبتیں' بے پایاں خلوص اور بات بات سے ٹپکتی ہوئی اپنائیت۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جگہ کبھی سردار داؤد کا مسکن تھی۔ پھر گورنر ہاؤس بنی۔ کابل کے مرکزی حکمران قندھار آتے تو یہیں قیام کیا کرتے تھے۔ کیمونسٹ عہد کے آخری فرمانروا ڈاکٹر نجیب اللہ کی جہازی شیورلیٹ گاڑی اس عمارت کے خزاں رسیدہ لان میں آج بھی کھڑی ہے۔ سیاہ رنگ کی یہ شکستہ پا گاڑی صرف نجیب ہی کی نہیں' سوویت یونین کی سیاہ بختی کا سمبل بھی بن گئی ہے۔

مولانا سمیع الحق اور صحافیوں کے مراسم اس لئے بڑے خوشگوار ہیں کہ مولانا نے کبھی علم کی عظمت اور عالمانہ تمکنت کو اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیا۔ ان کی بے تکلفی' بذلہ سنجی' نکتہ آفرینی اور شگفتہ گوئی نے ہمارے اس سفر کو کبھی بوجھل نہ ہونے دیا۔ طالبان ان کے لئے بچھے جا رہے تھے اور مولانا کو ہمارے آرام و آسائش کا خیال بے کل کئے رکھتا تھا۔ چائے' مشروبات اور قندھار کے شیریں پھلوں سے تواضع کے بعد بھاری بھرکم میزبان شخصیات کی آمد شروع ہوگئی۔ مولانا محمد حسن طالبان کی اعلیٰ قیادت میں بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ قندھار کے گورنر رہ چکے ہیں اور حال ہی میں انہیں پانچ صوبوں کے امور کا سربراہ بنایا گیا ہے۔ غزنی' زابل' قندھار' ہلمند اور اورزگان کے گورنر ان کے ماتحت آتے ہیں۔ شورائے عالی کے رکن اور اسپیکر ہیں۔ مولانا سمیع الحق اور ان کے وفد سے مولانا محمد حسن کا تعارف کرایا گیا۔ سادہ و درویش سے اس شخص کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ انہوں نے مختصر گفتگو کرتے ہوئے کہا۔۔۔"

بھائیو! میں خوش ہوں کہ تم پاکستان سے ہمیں ملنے آئے ہو۔ ہماری باتیں سننے آئے ہو۔ ہم اور تم دو نہیں ہم کل بھی ایک تھے' آج بھی ایک ہیں اور انشاء اللہ کل بھی ایک رہیں گے۔ تم نے جہاد میں بھی ہمارا ساتھ دیا' جہاں ہمارا لہو گرا وہاں تم نے بھی اپنا خون بہایا۔ آج افغانستان کو امن اور سکون کی ضرورت ہے۔ تعمیرِ نو کی ضرورت ہے۔ اللہ کا وہ نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس کے لئے جہاد کیا گیا۔ تم یہاں جب تک چاہو رہو خوب گھوم پھر کر دیکھو عام لوگوں سے ملو۔ تمہیں پتہ چلے گا کہ طالبان نے کس طرح اپنی ماتحت ولائتوں کو امن کا گہوارہ بنادیا ہے۔ پندرہ ولایتیں ہمارے کنٹرول میں ہیں۔ جب سے اسلامی تحریکِ طالبان کی حکومت قائم ہوئی ہے ان پندرہ صوبوں میں پندرہ افراد بھی قتل نہیں ہوئے۔ ڈکیتی' اغوا' چوری اور لوٹ مار کی وارداتیں ختم ہو چکی ہیں راستے اور شاہراہیں محفوظ ہیں۔ کوئی شخص رات کے کسی لمحے سونا اچھالتا ہوا میلوں چلا جائے کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھے گا۔ میں ایک ذاتی واقعہ سناتا ہوں' کچھ دن قبل میرا گزر ضلع ارغندہ کے جنگلات سے ہوا جن میں کئی بستیاں بھی ہیں عشاء کے بعد کا وقت تھا۔ میں نے دیکھا کہ پانچ خواتین کسی مرد کے بغیر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جارہی ہیں۔ میں نے وہیں سجدہ کیا اور اللہ کے حضور شکرانہ کے نوافل پڑھے۔ تیز جائیو۔۔۔! میں اس جگہ کی بات کر رہا ہوں جہاں دن کے وقت بھی پچاس ساٹھ آدمی قافلہ بناکر چلا کرتے تھے۔ جہاں اغوا' قتل' ڈکیتی' زنا کاری' غنڈہ ٹیکس اور دہشت گردی کی وارداتیں معمول بن گئی تھیں۔ جہاں نہ کوئی قانون تھا نہ کوئی ضابطہ۔ یہ اللہ کے قانون کی برکت ہے کہ ہماری پندرہ ولایتوں کی وادیاں' پہاڑیاں' جنگل' ویرانے' شہر گاؤں اور سڑکیں محفوظ ہیں۔ یہ ہمارا نہیں حدود اللہ کا کمال ہے۔ آج ہماری مائیں' بہنیں اور بیٹیاں ہمیں دعاؤں کی سوغات بھیجتی ہیں کہ تم نے ہماری نیندیں لوٹادی ہیں۔ مغرب ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کر رہا ہے مگر ہمیں کسی کی پرواہ نہیں۔ ہم نے انسانوں کی بستیوں کو بھیڑیوں اور درندوں سے نجات دلادی ہے۔ کوئی شخص اسلحہ نہیں رکھ سکتا۔ شادی بیاہ ہو یا کسی کا استقبال یا کوئی اور تقریب' بندوق کی ایک گولی بھی فائر نہیں کی جاسکتی۔ تم لوگ آئے ہو تو ضرور ان بستیوں کو دیکھو۔ لوگوں سے ملو' وہ جو کچھ کہیں وہ اپنے وطن جاکر بتاؤ' اپنے اخباروں میں لکھو"۔

مولانا محمد حسن کی گفتگو میں بلا کی روانی تھی اور ان کے ہر لفظ سے بھرپور اعتماد ٹپکتا تھا۔ امن و امان کی بحالی اور جرائم کی بیخ کنی بلاشبہ طالبان کی تحریک کا سب سے نمایاں پہلو ہے جس کی تصدیق ہر شخص کرتا ہے۔ مولانا سمیع الحق مجمع عشاق میں گھرے بیٹھے تھے کہ شورائے عالی کے رکن اور تحریک کے مرکزی رہنما مولوی احسان اللہ احسان آگئے۔ مولانا سمیع الحق کے ہاتھوں کو بوسہ دینے اور معانقہ کرنے کے بعد وہ ہم سے ملے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔

چند لمحوں بعد حاجی ملا محمد حسن رحمانی تشریف لے آئے۔ روشن چہرے اور دہکتی آنکھوں والا یہ مجاہد روسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی ایک ٹانگ سے معذور ہو چکا ہے۔ ملا محمد حسن رحمانی ریسٹ ہاؤس میں داخل ہوئے تو ہمیں کسی سائرن کی آواز سنائی نہ دی۔ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا' ہٹو بچو کی صدائیں نہ اٹھیں۔ سر پر سیاہ پگڑی اور کندھے پر سیاہ چادر ڈالے یہ چالیس بیالیس سالہ

میں ہوتے ہیں۔ وہ ہر محفل میں سب سے اونچی' سب سے بنی سنوری کرسی پر بیٹھتا ہے اور اس کے انداز نگاہ سے نخوت اور بڑائی کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ ملا محمد حسن رحمانی تو گورنری کے ماتھے پر وجیہ ہے۔ میں دیر تک اپنے سامنے بیٹھے والی قندھار کو دیکھتا رہا اور دیکھتے دیکھتے اس کا قد اونچا ہونے لگا۔ اونچا ہی اونچا۔ جاہ و جلال اور کروفر کے دنیوی پیمانوں سے اتنا اونچا کہ میرے لئے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالنا مشکل ہوگیا۔ مجھے یوں لگا کہ ہمارے چاروں گورنر اوپر تلے کھڑے ہو کر بھی ملا محمد حسن رحمانی کی بائیں ٹانگ کے مصنوعی جوتے تک نہیں پہنچ پاتے۔ ہم گورنر سے ادھر ادھر کی متفرق باتیں کرنے لگے۔ گورنر نے ہمیں بتایا کہ ـــــ" میں پہلے بیت المال کا ایک چھوٹا اہلکار تھا۔ پھر مجھے تعمیر نو کا شعبہ دیا گیا۔ کوئی ڈیڑھ ماہ قبل مولانا محمد حسین کی ترقی ہونے کے بعد شورائے عالی نے قندھار کا والی بنادیا ہے میں اس ذمہ داری کے بوجھ تلے دبا جارہا ہوں۔ ہماری پہلی ترجیح امن و امان ہے تاکہ عوام سکون کی نیند سو سکیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم اس مقصد میں بڑے کامیاب رہے ہیں۔ ہم نے اسلامی قانون کے مطابق عدالتیں قائم کر رکھی ہیں۔ ضلع سطح کی قاضی عدالت ابتدائیہ کہلاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ابتدائیہ کے فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو وہ صوبائی سطح پر اپیل کورٹ میں جاسکتا ہے جسے مرافعہ کہتے ہیں۔ اگر وہ اس فیصلے سے بھی مطمئن نہ ہو تو وہ مرکزی عدالت یعنی سپریم کورٹ میں جاسکتا ہے جسے تمیز کہا جاتا ہے۔ تمیز کی سطح پر کسی طرح کی بحث نہیں ہوتی کوئی ذاتی پیشی نہیں ہوتی یہ عدالت صرف ریکارڈ دیکھتی ہے اور اگر مرافعہ کے فیصلے میں کوئی خامی دیکھے تو اس کی نشاندہی کرکے نظر ثانی کے لئے مرافعہ کو واپس کردیتی ہے۔ اگرچہ عمومی طور پر یہاں وکیلوں کا ادارہ نہیں مدعی اور مدعا علیہ خود قاضی کے سامنے دلائل دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص وکیل کی خدمات لینا چاہتا ہو تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔ کسی شخص کو اسی وقت سزا ملتی ہے جب وہ ان تمام مراحل سے گزر چکا ہو۔ ہمارے ہاں پولیس کا بھی موثر نظام قائم ہے۔" قوماندان امنیہ "یعنی تھانے کا م کر رہے ہیں ان کا نظم طالبان کے سپرد ہے جن کی وردیاں تو نہیں البتہ مخصوص کارڈ ہیں۔ ہمارے طالبان وردی پہننا پسند نہیں کرتے۔ ہم نے جس کامیابی کے ساتھ اسلحہ واپس لیا ہے اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ طالبان بستی بستی گئے' اعلان کیا۔ لوگوں نے اپنی مرضی سے اسلحہ جمع کرادیا کیونکہ انہیں ہم پر اعتماد ہے۔ ممکن ہے بعض افراد کے پاس اب بھی اسلحہ ہو اس کی واپسی کے لئے ہماری خفیہ پولیس کام کر رہی شخص مصنوعی ٹانگ کے باعث لنگڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو اس کے آس پاس کوئی کلاشنکوف بردار محافظ نہ تھا۔ مجھے میں سے کسی نے اٹھ کر بتایا کہ یہ ہیں حاجی ملا محمد حسن رحمانی' قندھار کے گورنر' ولایت قندھار کے والی"۔ قندھار کے والی نے جھک کر مولانا سمیع الحق سے مصافحہ کیا ہم سب سے ہاتھ ملایا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ چند لمحوں کے لئے مجھے افغانوں کی کم مائیگی کا احساس ہوا اور مجھے ترس آیا کہ ایک صوبے کا گورنر اور یہ بے چارگی؟ میرے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے کسی گورنر کو دیکھو۔ اس کی آن بان اور شان پر نظر ڈالو۔ اس کے سینکڑوں کنال پر پھیلے عالی شان محل پر نظر ڈالو۔ سینکڑوں لشکارے مارتی گاڑیوں کے بیڑوں کو دیکھو۔ باوردی خدام کی فوج ظفر موج کا تصور کرو۔ ہزاروں کے عملے اور سینکڑوں کے ذاتی اسٹاف کا خیال کرو۔ ہر پل تیار ہیلی کاپٹروں اور خصوصی طیارے کی آن بان دیکھو اور یہ دیکھو کہ جب ہمارا گورنر اپنے مجلل گورنری سے برآمد ہوتا ہے تو اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں کیسی ہاہاکار مچی ہوتی ہے۔ عام ٹریفک سہم کر ایک طرف رک جاتا ہے اور سائرن کی صدا فضاؤں کو چیرتی گورنر کی شوکت و حشمت کا نقش جماتی سینوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔ کروڑوں کے فنڈ اس کی مٹھی

میں ہوتے ہیں۔ وہ ہر محفل میں سب سے اونچی' سب سے بنی سنوری کرسی پر بیٹھتا ہے اور اس کے انداز نگاہ سے نخوت اور بڑائی کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ ملا محمد حسن رحمانی تو گورنری کے ماتھے پر وجیہ ہے۔ میں دیر تک اپنے سامنے بیٹھے والی قندھار کو دیکھتا رہا اور دیکھتے دیکھتے اس کا قد اونچا ہونے لگا۔ اونچا ہی اونچا۔ جاہ و جلال اور کروفر کے دنیوی پیمانوں سے اتنا اونچا کہ میرے لئے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالنا مشکل ہوگیا۔ مجھے یوں لگا کہ ہمارے چاروں گورنر اوپر تلے کھڑے ہو کر بھی ملا محمد حسن رحمانی کی بائیں ٹانگ کے مصنوعی جوتے تک نہیں پہنچ پاتے۔ ہم گورنر سے ادھر ادھر کی متفرق باتیں کرنے لگے۔ گورنر نے ہمیں بتایا کہ ـــــ" میں پہلے بیت المال کا ایک چھوٹا اہلکار تھا۔ پھر مجھے تعمیر نو کا شعبہ دیا گیا۔ کوئی ڈیڑھ ماہ قبل مولانا محمد حسین کی ترقی ہونے کے بعد شورائے عالی نے قندھار کا والی بنادیا ہے میں اس ذمہ داری کے بوجھ تلے دبا جارہا ہوں۔ ہماری پہلی ترجیح امن و امان ہے تاکہ عوام سکون کی نیند سو سکیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم اس مقصد میں بڑے کامیاب رہے ہیں۔ ہم نے اسلامی قانون کے مطابق عدالتیں قائم کر رکھی ہیں۔ ضلع سطح کی قاضی عدالت ابتدائیہ کہلاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ابتدائیہ کے فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو وہ صوبائی سطح پر اپیل کورٹ میں جاسکتا ہے جسے مرافعہ کہتے ہیں۔ اگر وہ اس فیصلے سے بھی مطمئن نہ ہو تو وہ مرکزی عدالت یعنی سپریم کورٹ میں جاسکتا ہے جسے تمیز کہا جاتا ہے۔ تمیز کی سطح پر کسی طرح کی بحث نہیں ہوتی کوئی ذاتی پیشی نہیں ہوتی یہ عدالت صرف ریکارڈ دیکھتی ہے اور اگر مرافعہ کے فیصلے میں کوئی خامی دیکھے تو اس کی نشاندہی کرکے نظر ثانی کے لئے مرافعہ کو واپس کردیتی ہے۔ اگرچہ عمومی طور پر یہاں وکیلوں کا ادارہ نہیں مدعی اور مدعا علیہ خود قاضی کے سامنے دلائل دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص وکیل کی خدمات لینا چاہتا ہو تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔ کسی شخص کو اسی وقت سزا ملتی ہے جب وہ ان تمام مراحل سے گزر چکا ہو۔ ہمارے ہاں پولیس کا بھی موثر نظام قائم ہے۔"

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (القرآن)

حیاتِ شیخ القرآن

العارف باللہ الشیخ الکامل عبدالہادی شاہ منصوری رحمۃ اللہ تعالیٰ

جس میں

آپ کے مکمل سوانح حیات، تعارف مشائخ و اساتذہ کمالات و امتیازات ترویج علوم و معارف قرآنیہ اور خدمت علم حدیث کیساتھ ساتھ قصبہ شاہ منصور کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے اسی طرح یہ کتاب علوم القرآن تاریخ اور ادب کیساتھ شغف رکھنے والوں کے لئے ایک حسین مرقع ہے

تالیف

مولانا محمد ابراہیم فانی مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ امام شاہ ولی اللہ

اکوڑہ خٹک ○ سرحد ○ پاکستان

قوماندان امنیہ" یعنی تھانے کام کر رہے ہیں ان کا نظم طالبان کے سپرد ہے جن کی وردیاں تو نہیں البتہ مخصوص کارڈ ہیں۔ ہمارے طالبان وردی پہننا پسند نہیں کرتے۔ ہم نے جس کامیابی کے ساتھ اسلحہ واپس لیا ہے اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ طالبان بستی بستی گئے' اعلان کیا۔ لوگوں نے اپنی مرضی سے اسلحہ جمع کرادیا کیونکہ انہیں ہم پر اعتماد ہے۔ ممکن ہے بعض افراد کے پاس اب بھی اسلحہ ہو اس کی واپسی کے لئے ہماری خفیہ پولیس کام کر رہی ہے ہم نے کسی گھر میں گھس کر اسلحہ نہیں لیا۔ خفیہ پولیس کا نام "ریاستی احتساب" ہے۔ کوئی اہم اطلاع ملے تو سب سے پہلے رئیس یعنی محکمے کے سربراہ کو مطلع کیا جاتا ہے۔ وہ ضروری سمجھے تو اسے امیرالمومنین کے علم میں لاتا ہے۔ ہمارے چیف جسٹس یا قاضی القضاۃ مولانا خلیل اللہ فیروزی ہیں۔ ہمارے ہاں سرکاری عمال کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں ان کے عزیز و اقارب' بھائی بیٹے محنت مزدوری کرتے ہیں اور اسی سے گزارا ہوتا ہے۔ امیرالمومنین جب ضروری خیال کریں بیت المال سے اعزازیہ عطا کردیتے ہیں۔ میرے پاس تین چار افراد کا عملہ' ایک دفتر اور ایک گاڑی ہے"۔

رات گہری ہوتی جارہی تھی' قندھار کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ میرے صحافی دوستوں کو پریشانی کھائے جارہی تھی کہ خبریں کس طرح اپنے اداروں کو بھیجی جائیں۔ مولانا سمیع الحق کے معاون خصوصی' جواں سال مولانا یوسف ہمارے معاون خصوصی بن چکے تھے۔ کیونکہ مولانا کو طالبان کی شکل میں معاونین اور خدام کی ایک پوری فوج میسر آگئی تھی۔ کئی وزراء تو باقاعدہ مولانا کی "مٹھی چاپی" کر رہے تھے۔ ہم یوسف صاحب کے ہمراہ ریڈیو قندھار کی عمارت میں پہنچے۔ طالبان نے شکوک سے لبریز آنکھوں کے ساتھ ہمیں گھورا۔ یہ آٹھ منزلہ عمارت "قندھار ہوٹل" کا نیا بلاک تھا جسے پوری طرح مکمل ہونا بھی نصیب نہ ہوا۔ عمارت پر جا بجا گولیوں اور گولوں کے نشان ہیں۔ تقریباً تمام کمرے آسیب زدہ دکھائی دیتے تھے۔ دو تین کمروں میں ریڈیو قندھار کا کل اثاثہ ہے۔ یہ ریڈیو چوبیس گھنٹوں میں صرف تین سوا تین گھنٹے بیدار رہتا ہے۔ صبح سات بجے سے سوا آٹھ بجے تک اور شام ۶ بجے سے ۸ بجے تک۔ اس دوران خبروں کے مختصر بلیٹن ہوتے ہیں۔ تلاوت' تفسیر قرآن' فہم حدیث' سیاسی تبصرے اور بعض عمومی مسائل پر گفتگو نشر کی جاتی ہے۔ موسیقی ممنوع ہے۔ مولانا محمد اسحاق امیر' ریڈیو کے مدیر مسئول ہیں۔ ریڈیو کا کل اسٹاف تقریباً پچیس افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں کوئی خاتون نہیں نہ ہی ریڈیو کسی خاتون کی آواز نشر کرسکتا ہے۔ رات کے پہلے پہر ہی ریڈیو سو رہا تھا اور عجب ویرانی طاری تھی۔ مری مری سی دو تین شمعیں روشن تھیں۔ عملے نے بتایا کہ یہاں تو فون ہی خراب ہے اس لئے فیکس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مولانا سمیع الحق ایک چھوٹی سی فیکس مشین بریف کیس میں ڈال لائے تھے لیکن فون نہ ملنے کے باعث اس کی رگِ جاں میں زندگی نہ آسکی۔ اگرچہ ہمارے ہمراہ سرکاری محافظ بھی تھا لیکن ریڈیو کی عمارت کے دالان میں چند "اجنبیوں" کو دیکھ کر ریڈیو کی حفاظت پر مامور طالبان خاصے چوکنے ہوچکے تھے۔ معلوم ہوا کہ اسی عمارت میں ٹیلی ویژن اسٹیشن بھی قائم ہے۔ تجسس بڑھا اور ہم نے اسٹوڈیوز دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ معلوم ہوا کہ ٹی وی کے آلات اور اسباب تو موجود ہیں لیکن کمروں پر بھاری قفل پڑے ہیں مدت سے کوئی پروگرام نشر نہیں ہوا۔

خبروں کے پلندے تھامے میرے ساتھی واپس ریسٹ ہاؤس آگئے۔

جہاں اعلیٰ عمّالِ حکومت کی ریل پیل تھی کھانا سجا تھا وزیر برتن اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ رئیس ہاتھ دھلوا رہے تھے۔ گورنر تولیہ لئے کھڑا تھا اور ہمارا ڈپٹی کمشنہ ڈرائیور چاولوں کی بڑی بڑی تھالیاں اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔

ایک بار پھر حیرتوں کی خوشگوار شبنم گرنے لگی۔ معلوم ہوا کہ چار رکنی صحافتی ٹیم کے قیام کا انتظام پاکستان قونصلیٹ جنرل میں کیا گیا جو وہاں سے کوئی دو سو گز دور واقع ہے۔ دو آرام دہ' آراستہ پیراستہ کمرے ہمارے منتظر تھے۔ جناب عزیز الرحمٰن گل' قندھار میں پاکستان کے قونصل جنرل ہیں۔ خوش شکل' خوش مزاج اور خوش خصال ان کے عملے نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دن بھر کی تھکن ہمارے اعصاب کو لوریاں دینے لگی اور چند لمحوں بعد ہم قندھار اور پاکستان کی سرحدوں سے کوسوں دور نکل گئے۔

جناب عزیز الرحمٰن گل سے دیر تک غیر رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے امن و امان کی بحالی' اسلحہ کی واپسی اور شاہراہوں کو محفوظ کردینے کے حوالے سے طالبان کی قیادت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ طالبان سے پہلے اور بعد کے حالات کا موازنہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ شدید قسم کی انارکی نے لوگوں کا سکون حرام کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں کے اندر بھی محفوظ نہ تھے۔ مکروہ قسم کے سماجی و اخلاقی جرائم عام ہوگئے تھے لیکن اب سارا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ شاہراہوں کے محفوظ ہوجانے سے آمدورفت بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن غیر قانونی تجارت کو بھی فروغ حاصل ہوگیا ہے۔

ہمارے پروٹوکول آفیسر مولانا یوسف شاہ گاڑی لے کر آگئے۔ ریسٹ ہاؤس اسی طرح آباد اور پر رونق تھا۔ مولانا سمیع الحق بارات کا دولہا بنے مرکزی صوفے پر تشریف فرما تھے۔ اکوڑہ خٹک کے سرچشمۂ فیضان سے کسبِ فیض کرنے والے طالبان ان پر اپنی عقیدتیں نچھاور کر رہے تھے۔ قندھار کے گورنر ملا محمد حسن رحمانی' شورائے عالی کے سینئر رکن احسان اللہ احسان' رئیس امور خارجہ ملا محمد غوث اخوند' پانچ صوبوں کے نظم کے سربراہ مولانا محمد حسن' عدالتوں کے قاضی' انتظامیہ کے ارکان' اور صفِ اول کے قائدین صبح ہی صبح مولانا کی بارگاہ میں حاضر ہوچکے تھے۔ ہم بھی مریدانِ ارادت کیش کی طرح ایک دیوار کے ساتھ لگے صوفوں پر بیٹھ گئے۔ کمرے کے وسیع فرش پر قالین بچھے تھے جس پر مولانا کے وفد کے

اراکین اور طالبان جلوہ گر تھے۔ اتنے میں اطلاع ہوئی کہ امیر المومنین تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں افغانستان کے دو تہائی رقبے پر محیط پندرہ صوبوں کے حاکم مطلق کا جاہ و جلال انگڑائی لینے لگا۔

افغانستان ایک مدت سے انتیس صوبوں میں منقسم رہا ہے لیکن کچھ عرصہ قبل دو نئے صوبوں کی تخلیق سے یہ تعداد اکتیس ہوگئی ہے۔ روایتی انتیس صوبوں میں سے پندرہ صوبے طالبان کے قبضے میں ہیں۔ قندھار، بلخ، ہرات، زابل، اوزرگان، پکتیکا، لوگر، غزنی، میدان شہر، خوست، پکتیا، فرح، بدخیس، نیمروز اور غور پر طالبان کا سفید پرچم لہراتا ہے جس پر کلمۂ طیبہ رقم ہے۔ ہر صوبے کا ایک گورنر ہے جو صوبائی شوریٰ کے مشورے سے نظم و نسق چلاتا ہے۔ گورنر کے لئے اب بھی "والی" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ پندرہ ولایتوں کو بہتر نظم کے خیال سے تین وحدتوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہر وحدت کے تحت پانچ صوبے آتے ہیں اور ان کا سربراہ رئیس اعلیٰ یا زون چیف کہلاتا ہے۔ پندرہ صوبوں کے والی اور تین وحدتوں کے رئیسان اعلیٰ مرکزی مجلس شوریٰ "شورائے عالی" کے رکن ہیں۔ قندھار ان پندرہ صوبوں کا مرکزی دارالحکومت ہے جہاں مختلف محکموں کے رئیس اور تین وحدتوں کے رئیسانِ اعلیٰ بیٹھتے ہیں۔ "شورائے عالی" اختیارات کا اعلیٰ ترین ماخذ ہے۔ ملا محمد عمر اخوند شورائے عالی کے سربراہ اور امیر المومنین ہیں۔ پندرہ صوبوں میں ملا محمد عمر اخوند کی جنبشِ لب، قانون، ضابطہ یا آرڈی ننس ہی نہیں، آئین و دستور کا درجہ رکھتی ہے۔ تحکم اور اختیار و اقتدار کی اتنی بلند مسند پر بیٹھنے والے ملا محمد عمر اخوند کے جلال و جمال کی صورت گری کرتے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایک جوانِ رعنا ہال میں داخل ہوا۔ ساڑھے چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چست اور مستعد بدن، سفید چہرہ، گھنی سیاہ داڑھی، سلیٹیا کے رنگ کا لمبا کرتا اور ٹخنوں کو چھوتی شلوار، سیاہ پگڑی، گہرے سبز رنگ کی واسکٹ، سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر کندھے پر، پاؤں میں چپل، چال میں استقامت، انداز میں استغنا، اس جوانِ رعنا کے داخل ہوتے ہی طالبان سرو قامت کھڑے ہوگئے۔ کسی نہ کہا "امیر المومنین تشریف لے آئے"۔ تمام حاضرین مجلس بھی احتراماً کھڑے ہوگئے۔ پانچ چھ چست و توانا نوجوان کلاشنکوفیں اٹھائے امیر المومنین کے ہمراہ تھے۔ ملا محمد عمر اخوند مولانا سمیع الحق سے معانقہ کرنے کے بعد اپنے قریب موجود افراد سے ملے اور مولانا سمیع الحق کے بائیں پہلو میں صوفے پر بیٹھ گئے۔ پندرہ صوبوں کے حاکم مطلق کی آمد سے قبل بھی یہ شورِ قیامت بپا ہوا نہ پروٹوکول کے ضابطے حرکت میں آئے نہ سڑکوں پر پہرے بٹھائے گئے نہ ٹریفک رکی، نہ سائرن کی چیخ و پکار بلند ہوئی اور نہ معمولاتِ حیات درہم برہم ہوئے۔ چھتیس سالہ امیر المومنین، اپنی اقامت گاہ سے یوں ریٹ ہاؤس پہنچ گیا جیسے گلی کوچوں میں رہنے والا کوئی عام سا آدمی اپنے مہمان سے ملنے کسی مسافر خانے پہنچ جاتا ہے۔

ملا محمد عمر اخوند ایک عرصہ تک قندھار اور کوئٹہ کے علمی مدارس میں زیرِ تعلیم رہے۔ افغانستان عرصۂ جہاد میں داخل ہوا تو ملا عمر تعلیمی سلسلے کو ادھورا چھوڑ کر معرکۂ حق و باطل میں شریک ہوگئے۔ ایک عرصہ تک مولوی محمد نبی محمدی کی حرکت انقلاب اسلامی میں شامل رہتے ہوئے مختلف محاذوں پر روسیوں کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ پھر پروفیسر برہان الدین ربانی کے ساتھ رابطہ استوار ہوا اور جمعیت اسلامی کے پلیٹ فارم سے جہاد میں شریک رہے اور ایک نڈر اور حوصلہ مند مجاہد کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ ان کی دائیں آنکھ اسی جہاد کی نذر ہوگئی۔ مجاہدین رہنماؤں کی باہمی کشمکش سے نوجوان مجاہدوں کے خواب بکھرنے لگے تو ملا محمد عمر نے دینی مدارس کے ان طالبان کو ایک لڑی میں پرو دیا جو جہاد کو منطقی ثمرات سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے تھے۔ عسکری اور سیاسی محاذ پر ابھرنے والی اس قوت کے بارے میں طرح طرح کے نظریات ہیں۔ کچھ لوگ اسے خود رو خیال کرتے ہیں اور کچھ کا کہنا ہے کہ اس تخم کی باقاعدہ آبیاری کی گئی ہے اور اب بھی اس کی نگہداشت اور پرداخت کا سلسلہ جاری ہے۔ طالبان کی تخلیق کا سبب کچھ بھی ہو، آج وہ افغانستان کی ایسی قوت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اس قوت کا فرمانروا ہمارے سامنے بیٹھا تھا۔ ملا عمر کم آمیز بھی ہیں اور کم گو بھی۔ میل ملاقات اور لمبی گفتگو ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتے۔ ہمیں بھی مسلسل یہی تاثر ملتا رہا کہ شاید ان سے ملاقات نہ ہوسکے۔ پھر خبر آئی کہ مولانا سمیع الحق ایک دو ساتھیوں اور اخبار نویسوں کے ہمراہ امیر المومنین سے ملاقات کو جائیں گے۔ پھر پتہ چلا کہ ملا عمر خود مولانا سمیع الحق سے ملنے آئیں گے۔ اللہ کے اس پراسرار بندے کو اتنا قریب دیکھ کر ہماری دھڑکنیں تو تیز ہونا ہی تھیں، خود طالبان کے چہرے گلنار ہوئے جارہے تھے۔

مولانا سمیع الحق نے حمد و ثنا کے بعد کہا کہ "ہمارے دل میں آپ لوگوں سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔ میں، میرے ساتھی علما اور پاکستان کے نامور صحافیوں کی یہ مختصر سی ٹیم اس سرزمین کو دیکھنے آئے ہیں۔ آپ نے ایسی عظیم جدوجہد کی ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی قربانیوں نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کردی ہے۔ تمام عالم اسلام جہادِ افغانستان کی کامیابی کے لئے دعاگو تھا۔ اس جہاد کی کامیابی کے بعد ملت اسلامیہ اس کے ثمرات کی منتظر تھی۔ جہاد کی کامیابی کا تقاضا تھا کہ افغانستان میں ایک مستحکم اسلامی حکومت قائم ہوتی اور جنگ کی مصیبتوں کے ستائے ہوئے افغانی عوام اسلامی نظام کے سائے تلے نئے دور کا آغاز کرتے۔ افسوس کہ پندرہ لاکھ جانوں کی قربانی کے بعد بھی یہ منزل نہ مل سکی۔ میرا دل یہ صورتحال دیکھ کے خون کے آنسو رو تا تھا۔ جامع دارالعلوم حقانیہ نے جہاد افغانستان میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ اس دارالعلوم نے

صف اول کے کمانڈر، مجاہد اور قائدین پیدا کئے۔ ہمارے طلباء نے جہاد کو اپنے لہو سے سینچا۔ اس وقت بھی میرے سامنے بہت سے چہرے ایسے ہیں جو دارالعلوم حقانیہ سے کسبِ فیض کرتے رہے خود قندھار کے گورنر ملا محمد حسن رحمانی دارالعلوم حقانیہ کے طالب علم رہے ہیں۔ جہاد اور مجاہدین سے ہمارا رشتہ بڑا گہرا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو جہاد افغانستان کی چھاؤنی کہا جاتا ہے۔ روسیوں کی شکست کے بعد قائدین کی باہمی لڑائیوں سے ہماری امیدیں بھی ٹوٹنے لگیں خواب پریشان ہونے لگے میں نے ذاتی طور پر مصالحت کی بڑی کوششیں کی۔ میاں نواز شریف دور میں اسلام آباد میں مجاہدین رہنماؤں کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا اس خاکسار کا بھی اس میں حصہ تھا۔ جب رات کے ڈھائی بجے افغان مجاہدین کے یہ رہنما خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہاں شاہ فہد کی موجودگی میں اسلام اور افغانستان کے لئے باہمی اتحاد و یگانگت کا عہد کیا گیا لیکن افسوس کہ کوئی سمجھوتہ اور کوئی عہد نامہ خانہ جنگی کا دروازہ بند نہ کرسکا۔ پھر ہم تک ایسی خبریں آنے لگیں کہ افغانستان کے مختلف حصّوں میں کیمونسٹوں کی باقیات اور منتشر جنگی گروہوں نے انارکی پھیلا رکھی ہے اور عام انسانوں کی زندگی اجیرن بنادی ہے۔ ایسے میں جب طالبان ایک نئے عزم اور نئے ارادے سے اٹھے تو ہمیں بڑا حوصلہ ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج افغانستان کے بڑے حصے میں امن و سکون بحال ہوچکا ہے اور اسلامی نظام کی طرف ٹھوس پیش رفت ہورہی ہے لیکن ابھی آپ کا سفر بڑا لمبا ہے۔ آپ کی منزل بہت دور ہے۔ آپ کو پورے افغانستان میں امن و سکون بحال کرنے کے لئے بڑی قربانیاں دینا ہوں گی۔ یہ میڈیا کا دور ہے اور آپ کے خلاف مغرب نے اپنے ہتھیار آزمانا شروع کردیئے ہیں۔ آپ کو مغرب کے پراپیگنڈے کا ٹھوس جواب دینا ہوگا عورتوں کو پورے حقوق دینا ہوں گے۔ جدید عہد کے تقاضوں کے مطابق معاشی نظام ڈھالنا ہوگا۔ آپ کو ایک مثالی اسلامی ریاست قائم کرنا ہوگی۔ میرے دل کی آواز یہ ہے کہ طالبان، خانہ جنگی کا ایندھن نہ بنیں بلکہ اس بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھائیں۔ میں کابل میں موجود ربانی، سیاف، حکمتیار اور احمد شاہ مسعود سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ طالبان کو دشمن نہ سمجھیں۔ یہ تو ان کے بچے ہیں کل تک یہ ان کی زیرِ کمان کیمونسٹوں سے لڑتے رہے ہیں۔ اسی طرح میں طالبان سے بھی کہتا ہوں کہ ان کا ہدف ربانی، حکمتیار، اور احمد شاہ مسعود نہیں۔ بندوقوں کی جو گولیاں اسلام کے دشمنوں کے سینوں کے لئے بنی ہیں وہ ایک دوسرے کے سینوں میں نہ اتاریں۔ اگر مقصد اسلامی نظام کا نفاذ ہے اگر مقصد افغانستان کی تعمیرِ نو ہے اور اگر مقصد ایک مستحکم اسلامی حکومت کا قیام ہے تو بداعتمادی کی یہ فضا ختم ہونی چاہئے۔ میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ باہمی آویزش کو ختم کرنے کے لئے قربانی دیں۔ میں کابل جاکر ربانی اور حکمت یار کے پاؤں بھی پکڑوں گا کہ خدا کے لئے اپنی توپوں کے دہانے اب ٹھنڈے ہونے دیں۔ پاکستان کا بچہ بچہ افغان جہاد میں آپ کے ساتھ تھا اور آج پاکستان کا بچہ بچہ اس خانہ جنگی سے نالاں ہے۔ اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور جہاد کے حقیقی ثمرات افغانستان کے عوام تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین"۔

یہ ایک دلپذیر اور موثر خطبہ تھا۔ وقفے وقفے سے مولانا کے پشتو خطاب کا اردو ترجمہ بھی کیا جاتا رہا۔ مولانا کے بعد سواد اعظم اہلسنت کے سیکرٹری جنرل مولانا اسفندیار نے مختصر خطاب میں نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ اس کے بعد امیر المومنین ملا محمد عمر اخوند کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے دھیمے لیکن پُراعتماد اور تاثر سے بھرے لہجے میں مختصر گفتگو کی۔ "میرے اسلامی بھائیو! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ اتنا لمبا سفر کرکے یہاں آئے۔ آپ تو جہاد کے پہلے دن سے ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ جہاد میں پاکستانی بھائیوں بالخصوص علماء کے تعاون کو ہم کیسے بھلا سکتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ آپ کے طفیل کیا۔ آپ ہی کی سرپرستی میں باطل روس کو شکست دی۔ آپ نے ہمیں پناہ دی، ہمیں ہتھیار دیئے، ہمارے کندھے سے کندھا ملاکر لڑے، آپ کا یہ سلوک ہماری نسلیں بھی یاد رکھیں گی آج آپ ہم سے ملنے ہمارے گھر آئے ہیں۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں ہم آپ کی میزبانی بھی نہیں کرسکتے۔ بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ جہاد ابھی اپنی منزل کو نہیں پہنچا، ہم نے جن علاقوں کا کنٹرول سنبھالا ہے وہاں اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دنیا کے کافر اور بے دین سیاستدان اور باطل قوتیں ہمارے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف ہیں ایک زبردست مہم شروع کردی گئی ہے۔ ہم نہ ملکوں ملکوں اپنے ایلچی بھیج سکتے ہیں نہ اتنے وسائل رکھتے ہیں کہ اس جھوٹے پراپیگنڈے کا جواب دیں۔ مغرب کے پاس بڑے وسائل ہیں باطل نے پکا ارادہ کر رکھا ہے کہ جہاں کہیں بھی اسلام نافذ کرنے کی بات ہو اس کی قوت سے مزاحمت کی جائے۔ اس کے خلاف زور و شور سے پراپیگنڈہ کیا جائے۔ ہم کس کس کا منہ بند کریں گے؟ کس کس کو جواب دیں گے؟ روس کچھ کہہ رہا ہے، امریکہ کچھ کہہ رہا ہے، ہم ایک کا جواب دیں گے تو دوسرا اٹھ کھڑا ہوگا۔ ہم حسب توفیق جواب ضرور دیں گے لیکن ہمیں کسی کی پرواہ نہیں مسلمان پریشان نہ ہوں۔ اسلام کہتا ہے کہ "جب جاہل لوگ الٹی سیدھی باتیں کریں تو سلام کرکے دامن چھڑالیں"۔ باطل قوتوں کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں شریعت محمدی نافذ نہ ہو۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ دنیا والوں کی باتوں کے جنجال میں پڑے بغیر اللہ کا دین نافذ کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ مشکل راستہ ہے۔ ہم دنیا کی سیاست میں الجھ کر اسے اور مشکل نہیں بنانا چاہتے۔ ہمارا جواب ہمارا عمل ہے۔ عملی جواب زبانی جواب سے بہتر ہوتا ہے ہمارا عمل سب کے سامنے ہے۔ جو چاہے یہاں آکر دیکھ

لے۔ مسلمان بھی، کفار بھی۔ ہمیں آپ کا وہی تعاون اور وہی سرپرستی چاہئے جو آپ جہاد افغانستان کے دوران کرتے رہے ہیں۔ نفاذ شریعت کے لئے جدوجہد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ آپ کل بھی ہمارے درد کو سمجھتے تھے اور آج بھی ہمارے درد کو سمجھتے ہیں۔ ہماری مدد کیجئے، ہمارا ساتھ دیجئے۔ اللہ آپ کو اور تمام مسلمانوں کو جزائے خیر دے"۔

یہ ایک حکمران کی تقریر نہ تھی جسے بیوروکریسی کی منڈلی تیار کرتی ہے جسے اعداد و شمار سے وقیع اور معتبر بنایا جاتا ہے۔ جس کی وَب پلک سنوارنے کے لئے قلمکار بھرتی کئے جاتے ہیں۔ ایک پاکباز انسان کے بے ریا دل سے نکلنے والے سیدھے سادے الفاظ تھے۔ سامعوں کے لئے ہلکے پھلکے دلوں کے لئے موج صبا اور ذہنوں کے لئے سرمایۂ فکر۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ طالبان کے چیف نے اپنے حریفوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ پروفیسر برہان الدین ربانی، گلبدین حکمت یار، احمد شاہ مسعود، عبدالرب رسول سیاف اور کابل حکومت کے کسی نمائندے کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا۔ شاید تھوڑے لفظوں میں بڑی بات کہنے والے ملا عمر کے ترکش میں اپنے سیاسی حریفوں کے لئے کوئی تیر تھا ہی نہیں۔ ہمیں پہلے سے کہہ دیا گیا تھا کہ امیرالمومنین سے کوئی سوال جواب نہیں ہوگا۔ ذرا دیر بعد مُلّا محمد عمر اخوند نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور پھر اسی انداز سے رخصت ہوگئے جس انداز سے آئے تھے نہ ٹیپ ریکارڈ چلے، نہ کیمروں نے پھلجھڑیاں چھوڑیں نہ ٹیلی ویژن نے عکس بندی کی، غریب و سادہ و رنگیں سی محفل، تھوڑی دیر رہی لیکن اس کی خوشبو دنوں مہکتی رہی۔ دوپہر کے کھانے سے قبل ہمیں احمد شاہ ابدالی کے مزار لے جایا گیا۔ احمد شاہ ابدالی افغانوں کی تاریخ کا ایک مردِ جری جس کا خوبصورت مقبرہ جنگ کی تباہ کاریوں کے باوجود پوری آب و تاب سے اپنے مکیں کی عظمتِ رفتہ کی کہانی سنا رہا ہے۔

اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ایران کی صفوی سلطنت روبہ زوال ہوئی تو افغانستان پر بھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ایرانی سلطنت کے خلاف بغاوت کا پہلا شعلہ قندھار میں بھڑکا جب میر ویس خان نامی ایک ہوتکی رئیس نے ۱۷۰۸ء میں ایرانی گورنر کو قتل کرکے صوبے میں آزاد حکومت قائم کرلی۔ میرویس خان کے بیٹے محمود نے اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلانے کی کوشش کی جس سے نہ صرف اس کا اقتدار کمزور پڑ گیا بلکہ انتشار اور افراتفری کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ ایسے میں کئی مہم جو افغانوں نے اپنی قسمت آزمائی لیکن نمایاں کامیابی صرف افشار قبیلے کے سردار نادر شاہ کے حصے میں آئی جس نے پے درپے ضربیں لگاکر ۱۷۳۰ء میں افغانستان کو ایرانی تسلّط سے آزاد کرالیا۔ دیکھتے دیکھتے نادر شاہ کا اقتدار قندھار، ہرات اور کابل تک پھیل گیا۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے قدم دہلی تک جاپہنچے۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ اپنی ہی فوج کے کچھ افسروں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اس کی سپاہ کے افغان دستے نور محمد غلزئی اور احمد خان ابدالی کی قیادت میں مشہد سے واپس لوٹ آئے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے قندھار میں افغان سرداروں کا قبائلی جرگہ منعقد ہوا۔ آٹھ دنوں کی طویل بحث کے بعد ایک محترم روحانی شخصیت صابر شاہ کی تحریک پر پچیس سالہ نوجوان احمد خان دُرّانی کو متفقہ طور پر افغانستان کا بادشاہ منتخب کرلیا گیا۔ یہی نوجوان تاریخ میں احمد شاہ ابدالی کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی نوجوان نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست دی اور مغل بادشاہ کو دہلی کے تخت پر بحال کرکے قندھار لوٹ آیا۔ تاریخ احمد شاہ ابدالی کی عالی ہمت اور جری والدہ "زرغونہ آنا" کو ایک عظیم خاتون کی حیثیت سے یاد کرتی ہے۔ اسے اپنی آغوشِ تربیت پر اتنا ناز تھا کہ جب قندھار میں مرہٹوں کے ہاتھوں احمد شاہ ابدالی کی پٹائی کی افواہ اڑی تو زرغونہ نے کہا "ناممکن۔ میرا بیٹا مرسکتا ہے لیکن میدانِ جنگ میں پیٹھ نہیں دکھا سکتا"۔ افغان احمد شاہ کو بابائے قوم، اور "احمد شاہ بابا" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کبھی پیٹھ نہ دکھانے والا احمد شاہ ابدالی ۱۷۷۳ء میں اس دارِ فانی سے کوچ کرگیا اور قندھار کا تخت اس کے بیٹے تیمور شاہ کے حصے میں آیا۔

احمد شاہ ابدالی کا مقبرہ یقیناً اس کے شایان شان ہے۔ وسیع و عریض، بلند و بالا انتہائی دلکش نقش و نگار سے مزیّن۔ پرشکوہ، پُروقار اسلامی فن تعمیر کا حسین مرقع۔ مقبرے کی دیواروں پر عمدہ خط نستعلیق میں فارسی اشعار کندہ ہیں۔

احمد شاہ ابدالی کے مزار کے پہلو میں ہی ظاہر شاہ کے عہد کی بنی ہوئی ایک اور عظیم الشان عمارت ہے جس کے اندر حضور پاکؐ کا وہ خرقۂ مبارک رکھا گیا ہے جو آپ نے حضرت اویس قرنی کو عطا کرنے کے لئے مرحمت فرمایا تھا۔ روایت کے مطابق یہ خرقۂ مبارک کئی واسطوں سے ہوتا ہوا بغداد سے بلخ اور پھر صوبہ بدخشاں کے مقام جوزگان منتقل ہوا۔ احمد شاہ ابدالی ۱۱۰۹ء میں بصد عقیدت و احترام خرقۂ مبارک کو جوزگان سے قندھار لے آئے۔ خرقۂ مبارک یکے بعد دیگرے تین صندوقوں میں بند ہے جو مقفل رہتے ہیں۔ ظاہر شاہ کے دور میں خرقۂ مبارک کے لئے ایک عالی شان عمارت تعمیر کی گئی جو بطور مسجد بھی استعمال ہوتی ہے۔ حضورؐ کے اس خرقۂ مبارک کے بارے میں "مکتوبات میاں فقیر اللہ شکارپوری" میں گرانقدر معلومات ملتی ہیں۔ قندھار پر طالبان کے قبضے کے بعد مُلّا محمد عمر اخوند نے شورائے عالی کی اجازت سے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں صندوقوں کو کھولا اور خرقۂ مبارک کی زیارت کی۔ قندھار کے لوگوں کو یہ سعادت ستّر سال بعد نصیب ہوئی اور ہمارے لئے شاید یہ دورۂ افغانستان کی سعادتِ عظمیٰ تھی۔ نوافل اور نماز ظہر کی ادائیگی کے وقت اکثر لوگوں کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ مولانا سمیع الحق کے چہرے پر آسودگی کی وہ جھلک تھی جو معرکۂ عظیم سر کرنے والوں کے چہروں پر کِھل اٹھتی ہے۔